احسان اور احکام شریعت

تحریر: حافظ محمد اسلم، اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ کالج، بورے والا

لفظ احسان، قرآن وحدیث میں متعدد مقامات پر مذکور ہے اور متعدد اقسام کی تعلیمات وتوجیہات کا حامل ہے- یہ لفظ اپنے مادے کی شکل میں اللہ تعالیٰ کی صفت کے طور پر بھی مذکور ہے: مثلاً:

''فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْن ''(۱) اللہ برکتوں والا ہے جو سب سے بہترین پیدا کرنے والا ہے

اسی طرح انسان کی صفت بن کر بھی وارد ہوا ہے- مثلاً

''لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْم ''(۲) ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا

دور حاضر میں یہ لفظ عموماً اخلاقیات کی اصطلاح کے طور پر مروج اور مشہور ہے- یعنی اس سے مراد وہ امور لیے جاتے ہیں جو انسانی ذات کی تکمیل اور روحانی ارتقا سے تعلق رکھتے ہیں- مگر جس طرح کہ دین اسلام اپنے مزاج کے اعتبار سے جامعیت اور ہمہ گیریت کا حامل ہے کہ اس میں عقائد، عبادات اور اخلاقیات سبھی اقسام کی تعلیمات شامل ہیں- اسی طرح احسان بھی مختلف اقسام کی تعلیمات کا سابقہ ولاحقہ اور فقہی قوانین کا ایسا تتمہ بن کر سامنے آتا ہے کہ اس کے بغیر اسلامی شریعت نامکمل اور ادھوری نظر آتی ہے- مثلاً مشہور حدیث جبریل میں حضرت عمر فاروقؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک دن حضورﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی نے آکر حضورﷺ سے سوال کیا: مجھے اسلام کے متعلق بتلائیے- آپﷺ نے اسلام کے ارکان بیان کیے- اس اجنبی نے پھر سوال کیا- مجھے ایمان کے متعلق بتلائیے- آپﷺ نے عقائد بیان کیے- اس نے پھر کہا- مجھے بتلائیے کہ احسان کیا ہے؟ آپﷺ نے فرمایا تو اس طرح اللہ کی عبادت کر، گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہ دیکھے (یہ کیفیت پیدا نہ کر سکے) تو یقین رکھ کہ بلاشبہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے---- (ملخص (۳)

اس حدیث کی تشریح میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

''معلوم ہونا چاہیے کہ دین اسلام کی بنیاد اور اس کا کمال تین چیزوں پر ہے- فقہ، علم عقائد اور علم تصوف وسلوک- اس حدیث میں یہ تینوں مقام بیان فرما دیے- اسلام فقہ کی طرف اشارہ ہے- جس میں اعمال واحکام شرعیہ کا بیان ہوتا ہے- ایمان، اعتقادی مسائل اور اصول کلام کی طرف اور احسان تصوف

وسلوک کی طرف اشارہ ہے- جو اللہ کی طرف سچی توجہ سے عبارت ہے- تصوف کے تمام معانی جن کی طرف مشائخ طریقت نے اشارات فرمائے' اسی معنی کی طرف لوٹتے ہیں- لہذا تصوف اور علم عقائد وکلام ایک دوسرے کیلئے لازم وملزوم ہیں- ان میں سے کوئی ایک' دوسرے کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا اور نہ وجود میں آ سکتا ہے اور تصوف' فقہ کے بغیر بھی معرض وجود میں نہیں آ سکتا- کیونکہ احکام کی شناخت فقہ کے بغیر نہیں ہوسکتی اور فقہ تصوف کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی- کیونکہ سچی توجہ کے بغیر عمل مکمل نہیں ہوسکتا- پھر یہ دونوں ایمان کے بغیر صحیح اور درست نہیں- جیسے روح اور جسم ایک دوسرے کے بغیر وجود میں نہیں آ سکتے اور نہ ان میں کمال پیدا ہوسکتا ہے-'' (۴)

عقائد وعبادات سے نکل کر معاشرے کی طرف آئیں تو احسان کا خصوصی تعلق عدل کے ساتھ بھی موجود ہے- قانون عدل اگرچہ ایک مؤثر اور وسیع نظام ہے- مگر جدل ونزاع کی دنیا میں ایسی منزلیں بھی آتی ہیں جہاں عدلیہ کا نظام یا قانونی ڈھانچہ اپنی بے بسی وبے حیثیتی کے بھنور میں پھنس جاتا ہے اور ساحل مراد کا متلاشی متبادل راہ اختیار کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے- ایسے موقعہ پر اخلاقیات واحسانیات کا نظام اس کی دست گیری کرتا ہے- اس طرح یہ دونوں نظام شانہ بشانہ چلتے ہوئے نوع انسانی کو حقیقی کامرانی وشادمانی عطا کرتے ہیں-

دوسرے لفظوں میں ہم اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ جہاں نظام عدل کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے احسانی نظام کی ابتدا ہوتی ہے- کیونکہ انصاف تو ظاہریت کا پابند ہے اور مناسب حق ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے- جبکہ احسان' تمام اسباب' قول وفعل اور لہجے ورویے سے بھی مطمئن کرتا ہے- عدل اور احسان کی اس امتزاجی کیفیت واہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے سید سلیمان ندویؒ اس طرح رقم طراز ہیں:

دنیا میں امن وامان اور عدل وانصاف کے قیام اور فتنہ وفساد اور برائیوں کے انسداد کیلئے دو چیزیں ہیں- قانون اور اخلاق' اور گو ان دونوں کا منشا ایک ہی ہے- مگر ان کے منزل مقصود تک پہنچنے کے راستے مختلف ہیں اور تنہا ان میں سے ہر ایک میں کچھ نہ کچھ کمی ہے- جس کی تلافی دوسرے سے ہوتی ہے- قانون برائیوں کو تو روک دیتا ہے مگر دل میں اس برائی کی طرف سے کراہت کا کوئی روحانی کیف پیدا نہیں کرتا- جو انسانیت کی جان ہے- اور اخلاق پر عمل

کرنے پر ہر شخص کو بزور مجبور نہیں کیا جا سکتا- اس لئے اس کے ذریعے عدل وانصاف کا قیام اور برائیوں کا استیصال کلیۃً نہیں ہوسکتا- توراۃ محض قانون ہے اور انجیل محض اخلاق- اس لیے یہ دونوں الگ الگ امن وامان اور عدل وانصاف کے قیام اور فتنہ وفساد اور برائیوں کے انسداد کیلئے پوری طرح کافی نہیں- آنحضرت ﷺ ایسی شریعت لے کر آئے جو عدل واحسان اور قانون واخلاق دونوں کو جامع ہے-(۵)

غالباً یہی حکمت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے عدل کے ساتھ احسان کا خصوصیت سے ذکر کیا- چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ''(۵) (اللہ تعالیٰ انصاف اور احسان کا حکم دیتا ہے)

یہاں ایک اشکال پیدا ہوسکتا ہے- وہ یہ کہ ظاہر الفاظ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح عدل کرنا فرض ہے اسی طرح احسان بھی فرض ہے- کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو اکٹھا ذکر کیا ہے- اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ حکم کی نوعیت دونوں کیلئے یکساں نہیں- کیونکہ عدل کرنا فرض ہے جبکہ احسان مستحب ہے- جیسا کہ اس لفظ کی اصلیت ومعنویت سے واضح ہوتا ہے- تاہم اس میں شک نہیں کہ بعض اوقات سیاق وسباق اور دیگر قرائن کی موجودگی میں احسان کا درجہ مستحب سے بڑھ کر واجب تک چلا جاتا ہے- مثلاً حضرت موسیٰ کی قوم کا ایک فرد قارون تھا- قرآنی بیان کے مطابق وہ اس قدر مالدار اور دولت مند تھا کہ اس کے خزانوں کی چابیاں ایک طاقتور جماعت اٹھاتی تھی- حضرت موسیٰ کی معرفت اس کو حکم ہوا:

''وَاَحْسِنْ کَمَآ اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ''(۷) (تو احسان کر، جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کیا اور زمین میں فساد نہ کر)

یعنی اللہ کی راہ میں صدقہ وخیرات کر اور غرباء وفقراء کی مالی امداد کر- بقول مفتی محمد شفیعؒ ''احسان کے لفظ سے حقوق واجبہ کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے''(۸) اس جگہ احسان کے واجب ہونے کا قرینہ آیت کا اگلا حصہ ہے- جس میں وعید ہے کہ احسان نہ کرنا زمین میں فساد پیدا کرنے کی صورت ہے اور اللہ تعالیٰ فسادیوں کو پسند نہیں کرتا- معلوم ہوا کہ احسان کی یہ قسم محض استحبابی نہیں بلکہ وجوبی ہے-

شریعت اور احسان کے باہمی تعلق اور احسان کی شرعی حیثیت پر بحث کے بعد اب احسان کی مکمل تعریف امام رازیؒ کے الفاظ میں دیکھیے:

''ان العدل عبارةعن القدرالواجب من الخيرات-
والاحسان عبارةعن الزيادةفی تلك الطاعات بحسب
الكمية وبحسب الكيفية......''(۹)

(عدل کا مطلب ہے خیرات کی واجب مقدارادا کردی جائے-احسان کا مطلب ہے-ان طاعات پرکمیت اور کیفیت کے اعتبار سے اضافہ کیا جائے اور اسباب ومحرکات کے اعتبار سے بھی زیادتی کی جائے-نیزعبودیت وربوبیت کے مشہودی مقامات میں استغراق وانہاک ہو-یہ ہے احسان کی حقیقت)

امام رازیؒ کی پیش کردہ مذکورہ بالاتعریف خاصی جامع اور مختصر ہے مگرشاید کچھ قدرفلسفیانہ اور مشکل بھی-لہذانسبتاًاسان اورسہل تعریف بھی ذکر کی جاتی ہے تاکہ اُحسان کامفہوم پوری طرح واضح ہوجائے-مولاناابوالاعلی مودودیؒ لکھتے ہیں:

''احسان کالفظ حسن سے نکلا ہے--جس کے معنی کسی کام کوخوبی کے ساتھ کرنے کے ہیں-عمل کاایک درجہ یہ ہے کہ آدمی کے سپرد جو خدمت ہو اسے بس کردے-دوسرادرجہ یہ ہے کہ اسے خوبی کے ساتھ کرے-اپنی پوری قابلیت اور اپنے تمام وسائل اس میں صرف کردے اوردل وجان سے اس کی تکمیل کی کوشش کرے-پہلا درجہ محض اطاعت کا ہے--جس کیلئے صرف تقویٰ اورخوف کافی ہے-دوسرادرجہ احسان کا ہے،جس کیلئے محبت اورگہراقلبی لگاؤدرکار ہے''(۱۰)

احسان کی اس توضیح وتشریح کے بعداب چندمثالیں ملاحظہ ہوں کہ قرآن وحدیث نے کس طرح احسان کوفقہی احکام کے ساتھ مربوط کرکے دین اسلام کوظاہری وباطنی اوصاف کامرقع بنایااور اس طرح مذہب کے حسن وجمال کودوبالاکرکے معاشرتی تقاضوں کوبطریق احسن سرانجام دینے کا آخری ومکمل نظام پیش کیا ہے-

مثال نمبر۱-۲

فقہی اعتبار سے پہلا درجہ عبادات کا ہے--جس میں سرفہرست نماز اوراس کے بعدزکوٰۃ ہے نمازاوراحسان کے باہمی تعلق کی بحث حدیث جبریل میں،جبکہ زکوٰۃ اوراحسان کے تعلق کی بحث قارون کے قصے میں گزرچکی ہے-نیز اس کے حکم کادرجہ بھی وہاں بیان ہو چکا ہے-

مثال نمبر۳

حقوق اللہ کی ادائیگی کے بعد اگلا درجہ حقوق العباد کا ہے- جن میں سرفہرست والدین کے حقوق ہیں- شریعت اسلامیہ نے والدین کے ساتھ احسان اور ان کے حقوق کی ادائیگی پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا ہے اور ان کی نافرمانی کو گناہ کبیرہ قرار دیا- چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

''وَقَضٰى رَبُّكَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا''(۱۱)

(اور تیرے رب نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرو)

والدین کے ساتھ احسان کی خصوصی اہمیت اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ خدا تعالی نے اس کو اپنی عبادت کے ساتھ متصلاً ذکر کیا ہے- اس مقام پر قضی بمعنی حکم ہے اور احسان کا یہ حکم وجوب کیلئے ہے(۱۲)

اس احسان کے بہت سے تقاضے ہیں- جن کو خود قرآن مجید نے اس جگہ ذکر کیا ہے- مثلاً ان کی عزت واحترام' اطاعت فرمانبرداری' بڑھاپے میں خصوصی خیال- دھیما اور نرم گفتگو' ان کیلئے عاجزی اور فروتنی اور بعد از وفات ان کیلئے دعائے مغفرت-

والدین کے ساتھ حسن سلوک کا یہ حکم محض مسلم والدین کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ اگر وہ کافر (ذمی) ہوں تو بھی وہ حسن سلوک کے مستحق ہیں(۱۳) ہاں اگر وہ خلاف شریعت کام کا حکم دیں تو پھر ان کی اطاعت کی بجائے اللہ کی اطاعت مقدم اور ضروری ہے- مگر اس کے باوجود دیگر دنیوی معاملات میں ان کے ساتھ نیکی اور حسن معاشرت ہی کا حکم وارد ہے-

مثال نمبر٦:

''فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ''(۱۴)

احسان کی اس مثال کا تعلق معاملہ قتل کی ایسی صورت سے ہے جبکہ مقتول کے ورثاء قاتل سے قصاص لینے کی بجائے دیت کی وصول پر صلح کرلیں- اس موقعہ پر قرآن مجید نے فریقین کو ان الفاظ سے ہدایت کی جس کا ترجمہ ہے بھلائی کے ساتھ پیروی کرو- اور احسان کے ساتھ دیت ادا کرو-

یعنی مقتول کے ورثاء مال کا مطالبہ کرنے میں بے جا سختی نہ کریں- اسی طرح قاتل بھی دیت کی ادائیگی میں بہانہ سازی' ٹال مٹول اور تاخیری حربے استعمال نہ کرے- اس مفہوم کی ادائیگی کیلئے قرآن مجید نے معروف اور احسان کے دو الفاظ کے ذریعے افراط وتفریط کی حد بندی کی اور مفاسد کا سد باب کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے- اس کی مزید تشریح امام رازیؒ کے الفاظ میں یہ ہے:

''فاماالاداء بالاحسان فالمرادبه ان لایدعی الاعدام فی حال الامکان ولایؤخره مع الوجود......''(۱۵)

(احسان کے ساتھ ادائیگی سے مراد یہ ہے کہ وہ (دیت دینے والا یعنی قاتل) دے سکنے کے باوجود مفلس ہونے کا دعویٰ نہ کرے' رقم نقد موجود ہونے کے باوجود تاخیری حربے اختیار نہ کرے' غیر واجب اشیاء پیش نہ کرے اور اس مال کی ادائیگی خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی سے کرے۔ مفلس ہونے کی مزید تشریح یہ ہے کہ دنیا میں بہت سے دولت مند لوگ جب بدنیت اور مردہ ضمیر بن جاتے ہیں تو اپنے مفلس اور دیوالیہ ہونے کا انتظام مصنوعی طریقے سے کرتے ہیں۔ باقاعدہ سازش اور منصوبہ بندی سے عدالت کی طرف رجوع کرکے اپنے متعلق کنگال ہونے کا حکم نامہ جاری کروالیتے ہیں۔ اس تمام کاروائی کا مقصد غیروں کی رقم ہڑپ کرنا اور قرض خواہوں سے جان چھڑوانا ہوتا ہے کہ نہ وہ رقم کا مطالبہ کریں اور نہ مال دینا پڑے۔

اس آیت کے متعلق دوسری بحث یہ ہے کہ اس میں دیا گیا حکم کس درجہ اور کس نوعیت کا ہے۔ کیا یہ حکم واجب ہے یا محض ترغیبی اور استحبابی؟ جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ اس مقصد کیلئے ہم قرطبی کی طرف رخ کرتے ہیں تو وہاں یہ عبارت ملتی ہے:

''(فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ)فقراء ۃالرفع تدل علی الوجوب واما المندوب الیه فتاتی منصوباً''(۱۶)

(اچھے طریقے سے پیروی کرو) پیش (رفع) کے ساتھ پڑھنے سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ جبکہ استحباب کا حکم زبر (نصب) کے ذریعے ظاہر کیا جاتا ہے۔ چونکہ یہاں فَاتِّبَاعٌ پر پیش ہے اور اداءٌ پر بھی پیش ہے۔ اس لئے فقہی کلیہ کے مطابق یہ حکم واجب ہوگا۔

مثال نمبر۵:

''أَوْتَسْرِیْحٌ بِإِحْسَانٍ''(۱۷) یا اچھے طریقے سے چھوڑ دو۔

اس حکم کا تعلق انسانوں کی ازدواجی زندگی یعنی میاں بیوی کے معاملے سے ہے کہ اگر طبائع کی ناموافقت یا کسی اور وجہ سے ان کا باہمی نباہ نہ ہو پھر طلاق کے ذریعے علیحدگی اختیار کرنا چاہیں تو اس

معاملہ کو بھی احسان یعنی اچھے طریقے سے سرانجام دیں- امام فخر الدین رازیؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''احسان سے مراد یہ ہے کہ جب مرد اس عورت کو چھوڑے تو اس کے مالی حقوق ادا کرے- علیحدگی کے بعد اسے برے الفاظ سے یاد نہ کرے- اور نہ ہی لوگوں کو اس سے متنفر کرے'' (۱۸)

اس کی مزید تشریح اس طرح کر سکتے ہیں کہ طلاق کے بعد بھی دو قسم کے حقوق باقی رہتے ہیں

نمبر ۱: مالی حقوق- اس سے مراد یہ ہے کہ عدت کے دوران عورت کو اپنے گھر سے نہ نکالے- کیونکہ مطلقہ عورت کی سکونت اور خوراک کا خرچ عدت کے اختتام تک شوہر کے ذمہ ہے-

نمبر۲ قولی حقوق: اس سے مراد یہ ہے کہ سابقہ بیوی کے متعلق غلط اور نازیبا قسم کے الفاظ استعمال نہ کرے- عموماً ایسا ہوتا ہے کہ رشتہ دار اور احباب طلاق کی وجوہات پوچھتے ہیں تو ایسے وقت میں مرد اپنی ناک اونچی رکھنے اور خود کو بے قصور بنانے کیلئے طلاق کی تمام وجوہات اور الزامات عورت کے سر تھوپتا ہے- حتی کہ اس کی عزت' کردار اور چال چلن کو بھی مشکوک قرار دے سکتا ہے- اس لیے شریعت نے روکا' کہ اس قسم کی نازیبا حرکات اختیار کر کے اور عورت پر طعن وطنز کر کے اس کے مستقبل کو تاریک نہ کرے اور نہ ہی لوگوں کو اس سے متنفر اور بیزار کرے- اس حسن سلوک اور اعلی رویہ کے حکم کو کسی عدالتی حکم سے نافذ نہیں کیا جا سکتا- اس کیلئے ترغیبی انداز اور حدود اللہ کی پاسداری کی تلقین کی گئی تا کہ حسن سلوک کے تقاضوں کو ممکن حد تک سرانجام دیا جا سکے- گویا جہاں عدالتی قانون کی عمل داری ختم ہوئی وہاں سے احسان کی کارفرمائی کا آغاز ہوا-

مثال نمبر ۶:

''فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً'' (۱۹)   پھر احسان رکھ کر چھوڑ دو یا فدیہ لے کر-

اس آیت میں لفظ مَنًّا بمعنی احسان ہے اور اس حکم کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ احسان کثیر الجہتی ہو- یعنی احسان کرنے کی متعدد صورتیں بن سکتی ہوں- تو ایسی حالت میں اس شخص یا حاکم کو صواب دیدی اختیار کے طور پر کہا جائے گا کہ ان میں سے کوئی ایک صورت اختیار کر لو- مثلاً ایک حکمران دشمن کے خلاف میدان جنگ میں نکلتا ہے اور فتح و کامرانی سے ہم کنار ہو کر دشمن کے افراد کو قیدی بنا لیتا ہے' تو اب قرآن مجید اسے اختیار دیتا ہے کہ دشمن کے قیدیوں پر احسان کرتے ہوئے انہیں آزاد کر دو یا فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دو- مولانا ابوالاعلی مودودیؒ اپنی تفسیر میں اس کی مزید وضاحت یوں کرتے ہیں:

''پھر احسان میں چار چیزیں شامل ہیں- ایک یہ کہ قید کی حالت میں ان سے

اچھا سلوک کیا جائے- دوسرے یہ کہ قتل یا دائمی قید کی بجائے ان کو غلام بنا کر افرادِ مسلمین کے حوالے کر دیا جائے- تیسرے یہ کہ جزیہ لگا کر ان کو ذمی بنا لیا جائے- چوتھے یہ کہ ان کو بلا معاوضہ رہا کر دیا جائے- (۲۰)

بہر حال اس مندرجہ بالا آیت میں احسان کا حکم خالصتاً استحباب پر مبنی ہے- جیسا کہ اصول فقہ کا کلیہ پہلے گزر چکا ہے کہ اگر مصدر مرفوع ہو تو اس سے ثابت شدہ حکم وجوب پر مشتمل ہوتا ہے اور اگر وہ مصدر منصوب ہو تو ثابت شدہ حکم استحباب کا درجہ رکھتا ہے (۲۱) مندرجہ بالا آیت میں دونوں مصدر منصوب ہیں لہذا حکم بھی مستحب ہوگا-

مثال نمبر ۷:

"ان اللہ کتب الاحسان علی کل شئی......" (۲۲)

(بے شک اللہ نے ہر چیز پر احسان کرنا لازم کیا ہے)

جیسا کہ الفاظ سے ظاہر ہے- یہ حدیث اپنے مفہوم و مصداق میں نہایت وسعت کی حامل اور ہمہ گیر قسم کی ہے- اسلام سے قبل عرب میں امن کی حالت میں تو نیکی اور بھلائی کا عنصر کہیں کہیں نظر آتا تھا- مگر حالت جنگ کی تباہ کاریاں اور بربادیاں نا قابل بیان ہوتیں- مثلاً عورتوں اور بچوں کا قتل دشمن کی لاشوں کا مثلہ کرنا- مکانوں اور کھیتوں کو اجاڑنا وغیرہ- یہی صورت حال جانوروں کے متعلق تھی- یعنی زندہ جانور کے جسم سے گوشت کا ٹکڑا کاٹ لینا، نشانہ بازی کیلئے باندھنا وغیرہ-

مندرجہ بالا حدیث میں حضور ﷺ نے ایک عمومی اور کلی حکم کے طور پر ان تمام زیادتیوں کا سد باب کرنے کیلئے فرمایا- بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنا فرض ٹھہرایا ہے- لہذا جب تم (میدان جنگ میں) قتل و قتال کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو (مثلہ وغیرہ نہ کرو) جب تم جانور کو ذبح کرنے لگو تو اچھے طریقے سے کرو- تم میں سے ہر ایک اپنی چھری کی دھار تیز کرے- اس طرح اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچائے (۲۲) (زیادہ تکلیف نہ دے) بلکہ اسلامی شریعت میں استحبابی حکم کے طور پر یہاں تک تاکید کی گئی ہے کہ چھری کو جانور کے سامنے تیز نہ کرے- ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح نہ کرے تا کہ اس پر خوف زدگی کی کیفیت طاری نہ ہو-

مذکورہ بالا مثالوں کا تعلق انسانی زندگی کے ان مختلف گوشوں سے تھا جہاں احسان اور شریعت کے درمیان باہمی آہنگی تھی- اس موافقت کے ذریعے معاشرتی مسائل کو سلجھا کر زندگی کو پر سکون بنانے کی کوشش کی گئی- اب ایک ایسی مثال ملاحظہ کریں جہاں اللہ تعالیٰ نے شریعت کی بجائے محض احسان کا

راستہ اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔

مثال نمبر ۸:

''وَلَا یَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ...... الخ'' (۲۳)

(تم میں سے بزرگی اور وسعت والے اس بات کی قسم نہ کھائیں)

اس مثال کا تعلق واقعہ افک سے ہے جو کہ ۴ھ یا ۶ھ میں غزوہ بنی مصطلق سے واپسی کے موقعہ پر پیش آیا۔ منافقین نے حضور ﷺ کی زوجہ محترمہ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی یعنی حضرت عائشہؓ پر بہتان باندھا۔ اس موقعہ پر بعض سیدھے سادھے مسلمان بھی منافقین کی ان باتوں میں آ گئے۔ جن میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے رشتہ دار حضرت مسطح بھی تھے۔ صدیقی غیرت اپنی بیٹی کی اس توہین کو برداشت نہ کر سکی اور غصے میں آ کر حضرت مسطح کی مالی امداد بند کرنے کی قسم اٹھالی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ممانعت کا حکم نازل ہوا کہ اس طرح کی قسم کھانے کی بجائے عفو و درگزر کا راستہ اختیار کریں۔ جواباً آپؓ نے نہ صرف احسان کا سلسلہ جاری کر دیا بلکہ اس میں اضافہ بھی کر دیا۔ اس آیت میں فضل سے مراد احسان ہے یعنی فضل احسان کا مترادف ہے (۲۴)

یاد رہے کہ عام حالات میں قسم کو نبھانا اور پورا کرنا ضروری ہے۔ جبکہ توڑنا منع ہے اور قسم توڑنے کی صورت میں کفارہ لازم آتا ہے۔ تاہم یہ بھی حکم ہے کہ اگر قسم توڑنے میں خیر اور بھلائی ہو تو ایسی قسم کو توڑ دینا چاہیے۔

احسان اور شریعت کی اس بحث کا خلاصہ یہ ہے شریعت یعنی احکام وقونین کا مجموعہ ایک خشک اور بے کیف نظام ہوتا ہے۔ جس میں ظاہر الفاظ پر عمل ہوتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات فریق مخالف کی مکاری اور عیاری کی وجہ سے مستحق شخص محروم ہو جاتا ہے۔ ان حالات میں انتقام کا جذبہ پرورش پاتا ہے اور معاملہ پہلے سے بھی سنگین ہو جاتا ہے۔ ظاہر پرستی کے اس عیب کا ازالہ کرنے کیلئے اسلام نے جگہ جگہ احسان کا ذکر کیا تاکہ اس کے ذریعہ انسانی ضمیر پر دستک دے کر طرفین کے منفی جذبات کو سرد کیا جائے۔ چنانچہ قرآن مجید نے احکام وقوانین بیان کرتے وقت عموماً اس قسم کے الفاظ یا تو مستقلاً بیان کئے یا خدائی صفات کے طور پر بیان کئے تاکہ اللہ کے بندے اپنے خالق کی ان صفات کا عکس اپنی ذات میں پیدا کریں۔ دین کے ظاہر اور باطن یعنی جسد اور روح دونوں کی پاسبانی کریں اور یقین رکھیں کہ شریعت کی حقیقی تعمیل کا راز احسان اور دیگر اخلاقی صفات اپنانے میں ہی مضمر ہے۔

بحث دوم: احسان اور صواب دیدی اختیار

احسان کی سابقہ تفصیل میں بحث کا انداز یہ تھا کہ قرآن مجید اور حدیث نبوی ﷺ نے احسان کو کسی شرعی حکم کا ضمیمہ یا تتمہ بنایا- اس طرح وہ مجموعی حکم شریعت اور اخلاق کا حسین امتزاج بن گیا- احسان کی اس دوسری بحث کا تعلق امورِ سیاسیہ سے ہے- جس میں کسی منتظم یا حکمران کو صواب دیدی اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی فہم وفراست کی بنیاد پر فیصلہ کرے کہ اس موقعہ پر احسان کا معاملہ اختیار کرنا قوم وملک کے مفاد میں ہے یا نہیں- اس جہت کی تشریح کیلئے حضور ﷺ کی زندگی سے بہت سی مثالیں ہمارے سامنے آتی ہیں- جو ہمارے لیے مشعل راہ ہیں اور انہی کی بنیاد پر ہم یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ وہ کونسے مقامات ہیں جہاں احسان کرنا چاہیے اور وہ کونسے مواقع ہیں جہاں احسان کرنا نیکی نہیں، بلکہ ظلم ہے-

مثال نمبر ۱: احسان بصورت جان بخشی

حضور اکرم ﷺ نے ایک دستہ نجد کے علاقے کی طرف روانہ کیا- اس نے اہل یمامہ کے سردار ثمامہ بن اثال حنفی کو پکڑا اور مدینہ لا کر مسجد نبوی کے ستون کے ساتھ باندھ دیا- حضور ﷺ ادھر سے نکلے اور اس کی رائے پوچھی- اس نے جواب دیا- اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو خون والے کو قتل کریں گے اور اگر احسان کریں گے تو قدر دان پر احسان ہوگا- اگر مال چاہتے ہیں تو وہ مل جائے گا- حضور ﷺ چلے گئے- دوسرے اور تیسرے دن بھی یہی سوال وجواب ہوا تو آپ ﷺ نے اس کی رہائی کا حکم دے دیا- تب ثمامہ ایک قریبی نخلستان میں گیا- غسل کیا اور واپس آ کر اسلام قبول کرلیا- پھر کہا کل تک آپ کا چہرہ اور آپ کا دین مجھے سخت ناپسند تھا مگر آج آپ کا چہرہ، آپ کا دین اور آپ کا شہر مجھے سب سے زیادہ پسند ہے- ثمامہ عمرے کے ارادے سے نکلا- اس نے حضور ﷺ سے عمرے کی اجازت چاہی جو اسے مل گئی- اہل مکہ نے اسے بے دین ہونے کا طعنہ دیا- مگر اس نے کہا میں مسلمان ہوا ہوں- نیز یمامہ کے علاقے سے تمہارے ہاں غلے کا ایک دانہ نہ آئے گا- یہاں تک کہ حضور ﷺ اس کی اجازت دیں- پھر غلہ بند کر دیا- حتیٰ کہ اہل مکہ نے حضور ﷺ سے سفارش کروا کر غلہ کی ترسیل بحال کروائی (۲۵)

اس واقعہ میں احسان کی دو مثالیں پنہاں ہیں- ایک تو ثمامہ کی جان بخشی اور دوسری اہل مکہ کیلئے غلہ کی سپلائی- ان دونوں مثالوں سے واضح ہوا کہ حضور ﷺ غیر مسلموں کے ساتھ جاں اور مال دونوں اعتبار سے احسان کا سلوک کرتے تھے-

مثال نمبر۲: جنگی قیدی پر احسان اور عہد شکنی کی سزا

جنگ بدر کے قیدیوں میں سے عبداللہ بن عمرو بن عبد کو حضورﷺ نے امان دیدی تھی- یہ شخص شاعر تھا- اس نے حضورﷺ سے کہا- میری پانچ بیٹیاں ہیں- لہٰذا سیف مجھ پر احسان کریں- ساتھ ہی اس نے پختہ عہد کیا کہ آئندہ وہ نہ جنگ کرے گا نہ اہل مکہ کی مدد کرے گا- چنانچہ حضورﷺ نے اسے چھوڑ دیا- جنگ احد کے موقعہ پر صفوان بن امیہ نے اسے کہا- ہمارے ساتھ چل- تو اس نے کہا- میں نے جنگ نہ کرنے کا عہد کیا ہوا ہے- صفوان نے اسے ضمانت دی کہ اگر وہ قتل ہو گیا تو میں اس کی بچیوں کی کفالت کروں گا اور اگر زندہ رہا تو کثیر مال دوں گا- چنانچہ یہ شخص ساتھ نکلا اور یہ واحد شخص تھا جسے مسلمانوں نے جنگ احد میں گرفتار کیا تھا- اس کے علاوہ کوئی قیدی ہاتھ نہ آیا تھا- اب اس نے حضورﷺ سے کہا میں تو مجبوراً نکلا تھا- میری بیٹیاں ہیں' ان کی وجہ سے مجھ پر احسان کریں- حضورﷺ نے فرمایا تیرا وہ عہد کہاں گیا؟ اب تو مکہ نہیں جا سکے گا کہ وہاں جا کر کہے میں نے محمد کے ساتھ دو مرتبہ مذاق کیا- پھر حضورﷺ نے فرمایا مؤمن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا- اے عاصم اٹھو اور اسے قتل کر دو- چنانچہ اس کی گردن اڑا دی گئی- (۲۶)

اس مثال سے پھر وہی بات معلوم ہوئی کہ غیر مسلم قیدی بھی بنیادی طور پر احسان کا مستحق گردانا گیا اور اس کی جاں بخشی کر دی گئی- مگر دوسری مرتبہ جب یہی صورت پیدا ہوئی تو اس کی عہد شکنی اور بے اعتمادی نے اس کو احسان کے قابل نہ چھوڑا اور اس کو قتل کر دیا گیا-

مثال نمبر۳: احسان کا بدلہ بذریعہ احسان در احسان

جنگ احزاب کے موقعہ پر یہودیوں کی عہد شکنی کی وجہ سے حضورﷺ نے ان کے قبیلے بنو قریظہ کے خلاف کاروائی کی اور مسلمانوں نے تمام یہودیوں کو گرفتار کر لیا- پھر ان کے قتل کا فیصلہ بھی ہو گیا- اس موقعہ پر ایک صحابی حضرت ثابت بن قیس حضورﷺ کے پاس آئے اور کہا- زبیر نامی یہودی مجھے عطا کر دیں- تا کہ میں اس کے احسان کا بدلہ ادا کر دوں جو جنگ بعاث کے وقت اس نے مجھ پر کیا تھا- حضورﷺ نے اسے عطا کر دیا- آپﷺ نے جا کر زبیر یہودی کو خبر دی اور اس کی زنجیر اتاری- اس نے کہا میرا کوئی قائد (سنبھالنے والا) نہیں- تم نے میرے بیٹے اور عورت کو پکڑ لیا ہے- ثابت بن قیس پھر حضورﷺ کے پاس آئے- اس یہودی کے بیٹے اور بیوی کی جاں بخشی کروائی- اب زبیر نے کہا میرا باغ تھا- اس کے بغیر میرا گزارہ نہیں ہو سکتا- ثابت نے جا کر یہ رعایت بھی حاصل کر لی اور آ کر اطلاع دی- نیز اسے اسلام کی دعوت دی- اس نے کہا میرے دیگر ساتھیوں کا کیا بنا-

آپ ﷺ نے جواب دیا وہ تو قتل ہو گئے۔ اس یہودی نے کہا۔ ان کے قتل کے بعد اب زندگی میں کوئی دلچسپی نہیں۔ لہذا مجھے قتل کر دو۔ چنانچہ اسے قتل کر دیا گیا۔ (۲۷)

اس مثال سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ نے حضرت ثابت کی سفارش پر عہد شکن قوم کے فرد پر نہ صرف عمومی احسان کیا بلکہ احسان کو تین گنا کر کے واپس کیا۔ یہ اسلام کی تعلیم اور قرآن کا پیغام تھا کہ احسان کا بدلہ احسان ہی سے ہونا چاہیے۔ (۲۸) اس طرح حضور ﷺ نے اپنی معاشرتی اور سیاسی زندگی میں احسانات کے بھرپور مظاہرے کیے۔ متعدد مواقع پر فریق ثانی نے ناقدری اور عہد شکنی کی۔ مگر آپ ﷺ نے کبھی بھی دھوکہ دھی کے ان واقعات کی بنیاد پر آئندہ عدم احسان کا عہد نہیں کیا۔ بلکہ حسب معمول آپ ﷺ احسانات کے ابر کرم برساتے رہے اور پیاسوں کی پیاس بجھاتے رہے۔

مثال نمبر ۴ اجتماعی احسان

۸ھ میں حنین واوطاس کے غزوات پیش آئے۔ بنو ھوازن کا قبیلہ شکست کھا کر فرار ہو گیا۔ ان کے تمام اہل وعیال قیدی بنا لیے گئے۔ پھر حضور ﷺ نے انہیں مال غنیمت کے طور پر اپنے اصحاب میں تقسیم کر دیا۔ طائف سے واپسی پر بنو ھوازن کے یہ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض گزار ہوئے کہ ہم پر احسان کریں اور ہمارے اہل وعیال ہمیں واپس کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ میں نے تمہارا کافی انتظار کیا۔ مگر تم نہ آئے تو میں نے ان کو مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ اب میں اپنا اور بنو عبد المطلب کا حق تمہارے لئے چھوڑتا ہوں اور تمہارے دیگر افراد کیلئے سفارش کر دوں گا۔ چنانچہ آپ کی سفارش پر صحابہ کرامؓ نے بنو ھوازن کے دیگر افراد بھی بلا معاوضہ آزاد کر دیئے۔ پھر حضور ﷺ مکہ مکرمہ آئے تو مؤلفۃ القلوب کی بنیاد پر جدید الاسلام افراد مثلاً حضرت ابو سفیان، حضرت معاویہ وغیرہ کو فی کس سو سو اونٹ بطور عطیہ دیے۔ (۲۹) آپ کا یہ اسوہ اس قرآنی آیت کی عملی تفسیر تھی۔ "اِنَّ اللهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْن" (بے شک اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے)

آپ کے یہ گراں قدر انعامات واحسانات بظاہر اخلاقیات کا حصہ ہیں اور یقیناً ہیں۔ مگر دوسری طرف حکمران کے صواب دیدی اختیارات کے مظاہر بھی ہیں کہ اموال کی تقسیم اور قتل وقصاص کے معاملات میں کچھ وسعتیں ہیں۔ احسان کی اس جہت میں غور کرنے سے اس کا تشریعی پہلو سامنے آتا ہے۔ تاہم احسان کا یہ صواب دیدی اختیار رسول خدا ﷺ کی طرح عام حکمرانوں کیلئے غیر مشروط طور پر نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ قواعد وضوابط کی حد بندیوں میں رکھنا ضروری ہے تا کہ کوئی حکمران صواب دیدی اختیار کی آڑ میں اقرباء نوازی کا سلسلہ شروع نہ کر دے اور اس طرح بدعنوانی کو قانونی شکل دیکر من مانی کاروائیوں کا سلسلہ نہ چل نکلے۔

حوالہ جات ومراجع

۱۔ سورۃ المؤمنون:۱۴

۲۔ سورۃ والتین:۴

۳۔ مشکوٰۃ، کتاب الایمان، فصل اول

۴۔ شیخ عبدالحق، اشعۃ اللمعات، مطبع فرید بک سٹال، اردو بازار، لاہور جلد ۱، ص ۲۰۵

۵۔ سید سلیمان ندوی، سیرت النبی، ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور، ۶:۱۰۲

۶۔ سورۃ النحل:۹۰

۷۔ سورۃ القصص:۷۷

۸۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، زیر آیت مذکورہ بالا

۹۔ رازی، فخر الدین، تفسیر کبیر، مطبع دارالحدیث، بوہڑگیٹ ملتان زیر آیت سوۃ النحل:۹۰ جلد ۷:۲۶۱

۱۰۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱:۱۵۳، زیر آیت سورۃ البقرۃ:۱۹۵

۱۱۔ سورۃ بنی اسرائیل:۲۳

۱۲۔ القرطبی، ابوعبداللہ، الجامع لاحکام القرآن، زیر آیت مندرجہ بالا

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ سورۃ البقرۃ:۱۷۸

۱۵۔ رازی، فخر الدین، تفسیر کبیر، زیر آیت مندرجہ بالا

۱۶۔ القرطبی، ابوعبداللہ، الجامع لاحکام القرآن، زیر آیت سورۃ البقرۃ:۱۷۸

۱۷۔ سورۃ البقرۃ:۲۲۹

۱۸۔ تفسیر کبیر، زیر آیت مندرجہ بالا

۱۹۔ سورہ محمد:۴

۲۰۔ تفہیم القرآن، زیر آیت مندرجہ بالا

۲۱۔ القرطبی، ابوعبداللہ، الجامع لاحکام القرآن، زیر آیت سورۃ البقرۃ:۱۷۸

۲۲۔ مسلم شریف، کتاب الصید، باب الامر باحسان الذبح

۲۳۔ سورۃ النور:۲۲

۲۴۔ سیرت النبی باب الاحسان، ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور، ۶:۱۶۴

۲۵۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ادارہ تالیفات اشرفیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان کتاب السیر، ۹:۶۹

۲۶۔ ایضاً ۹:۶۵

۲۷۔ ایضاً ۹:۶۶

۲۸۔ سورۃ الرحمٰن:۶۰

۲۹۔ عبدالمالک بن ہشام، سیرت ابن ہشام، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۲:۵۸۸تا۵۹۵

۳۰۔ سورۃ البقرۃ:۱۹۵